پیغام سیرت

شجاعت نبوی ﷺ اور ہمارے رویئے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، اما بعد

لغت میں بہادری کو شجاعت کہتے ہیں۔ جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ مشکل وقت میں دل کی مضبوطی (سختی) کو شجاعت کہتے ہیں۔ قاضی عیاض لکھتے ہیں:

الشجاعة فضيلة قوة الغضب والقياد ها للعقل (۱)

قوت غضب کی ایسی فضیلت کا نام شجاعت ہے جو عقل کے تابع ہو۔

شجاعت کو ہمیشہ سے اخلاق حسنہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ دیگر اخلاق حسنہ مثلاً حلم و بردباری، صبر و ثبات، اعتدال و میانہ روی، جود و کرم، تواضع اور ایثار و سخاوت کی طرح شجاعت بھی مطلوب و محمود صفت ہے۔ قرآن کریم احادیث نبویہ اور آثار صحابہ میں بہت سے مقامات پر اس کا ذکر ملتا ہے۔ قرآن کریم نے انبیائے کرام کے احوال و اوصاف کے ذیل میں بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ انبیائے کرام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدائشی طور پر نہایت عمدہ و اعلیٰ اخلاق سے متصف ہوتے ہیں۔ اس بنا پر شجاعت میں بھی وہ اپنے اپنے مقام پر کمال رکھتے ہیں خصوصاً دعوت و تبلیغ کے دوران کتنے ہی مواقع ایسے آتے ہیں جب وہ اپنی مثالی شجاعت سے کام لے کر پیغام حق مخلوق خدا تک پہنچانے مین کامیاب ہو جاتے ہیں۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کا طریقہ یہی رہا کہ وہ لوگ کی طعن و تشنیع، ملامت و مذمت اور ایذا رسانی کو خاطر میں لائے بغیر اللہ تعالیٰ کا پیغام اور احکام اپنی امتوں کو بلاکم و کاست ٹھیک ٹھیک پہنچایا کرتے تھے۔ کیونکہ وہ پیغام رسالت پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ جیسے ارشاد ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ (۲)

وہ اللہ کا پیغام پہنچانے میں اسی سے ڈرتے رہے اور وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔

۱۔ قاضی عیاض/ الشفا، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۰ء: ج ۱، ص ۶۶ ۲۔ الاحزاب: ۳۹

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شجاعت

حضرت خلیل اللہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ان کی قوم بابل کے اطراف میں آباد تھی۔ یہ لوگ مذہباً ستارہ پرست اور بت پرست تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت ہمت و شجاعت اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنے باپ آزر کے سامنے حق کا اعلان کرتے ہوئے اس کو بت پرستی جیسے قبیح اور عظیم گناہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ قرآن کریم نے اس واقعے کے مختلف اجزا کو متعدد مقامات پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مریم میں ارشاد ہے:

اِذْقَالَ لِاَبِیْهِ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَالَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا O یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَ نِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِکَ صِرَاطًا سَوِیًّاO یٰٓاَبَتِ لَاتَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا O یٰٓاَبَتِ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّاO (۳)

جب اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ! تم اس چیز کی عبادت کیوں کرتے ہو جو نہ سن سکتی ہے اور نہ دیکھ سکتی ہے اور نہ تمہارے کام آسکتی ہے اے میرے باپ! بیشک میرے پاس ایسا علم پہنچا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا، سو تم میرے کہنے پر چلو تاکہ میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ! شیطان کی عبادت نہ کرو۔ بیشک شیطان تو اللہ کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ! مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم پر اللہ کا عذاب نہ آپڑے۔ پھر تم بھی (ہمیشہ کے لئے دوزخ میں) شیطان کے ساتھی ہوجاؤ۔

مشرکین مکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے اور اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر بتاتے تھے۔ سورۂ شعریٰ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ ان مشرکوں کو حضرت ابراہیم کا واقعہ پڑھ کر سنائیے تاکہ یہ لوگ جو اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کا پیرو بتاتے ہیں، توحید میں ان کی اقتدا کریں اور شرک سے اجتناب کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَO اِذْقَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاتَعْبُدُوْنَO قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰکِفِیْنَ O قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَکُمْ اِذْ تَدْعُوْنَO اَوْیَنْفَعُوْنَکُمْ اَوْیَضُرُّوْنَO قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآئَنَا کَذٰلِکَ یَفْعَلُوْنَO (۴)

۳۔ مریم: ۴۲۔۴۵　　۴۔ الشعراء: ۶۹۔۷۴

اور آپ ان لوگوں ابراہیم کا واقعہ بھی سنا دیجئے جب اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں سو ہم ان ہی کے گرد رہتے ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری بات کو سنتے ہیں یا وہ تمہیں نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ انہوں نے کہا (ہم کچھ نہیں جانتے) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا ہے۔

جب حضرت ابراہیم کی قوم کا سالانہ تہوار آیا تو سب مرد و عورت، بچے بوڑھے، ضعیف و قوی اس میں شرکت کے لئے چلے گئے۔ ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام بت خانے میں پہنچ گئے جہاں تمام بت ایک بڑے کمرے میں قطار میں رکھے ہوئے تھے۔ بت خانے کے دروازے کے سامنے سب سے بڑا بت تھا۔ اس کے برابر میں اس سے چھوٹا پھر اس سے چھوٹا تھا، حضرت ابراہیم نے بڑے بت کو چھوڑ کر دوسرے تمام بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بڑے بت کو باقی رکھنے میں یہ حکمت و مصلحت تھی کہ ان کی قوم کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ شاید اس بڑے بت نے ان چھوٹے بتوں کو توڑا ہوگا کیونکہ اسے غیرت معلوم ہوئی ہوگی کہ اس کے ہوتے ہوئے یہ چھوٹے بت خدائی کے لائق کیسے ہوگئے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم نے کلہاڑا بھی اس کی گردن میں اٹکا دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا لَهَا عٰبِدِیْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ز وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ج لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ۝ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وَّلَا

یَضُرُّکُمْ O اُفٍ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ O (۵)

جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ مورتیں کیا ہیں جن کی عبادت پر تم جمے ہوئے ہو تو انھوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی عبادت کرتے ہوئے پایا ہے۔ (حضرت ابراہیم نے) کہا البتہ تم اور تمہارے باپ دادا یقیناً صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ وہ کہنے لگے کیا تم ہمارے لئے حق بات پیش کر رہے ہو یا دل لگی کر رہے ہو (حضرت ابراہیم نے) کہا بلکہ تم سب کا رب تو وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا اور میں بھی اس کا گواہ ہوں۔ اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کی ضرور درگت بناؤں گا، جب تم پیٹھ پھیر کر چلے جاؤ گے۔ پھر حضرت ابراہیم نے بڑے بت کے سوا سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تا کہ وہ اسی کی طرف رجوع کریں۔ (بتوں کا حال دیکھ کر) وہ کہنے لگے کہ ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ (حرکت) کس نے کی، بیشک وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ وہ آپس میں کہنے لگے کہ ہم نے ایک نوجوان کو جسے ابراہیم کہا جاتا ہے ان (بتوں) کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا تھا۔ سب نے کہا کہ اچھا اسے سب کے سامنے لاؤ تا کہ سب دیکھیں۔ وہ کہنے لگے اے ابراہیم کیا تو نے ہی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ حرکت کی ہے۔ (حضرت ابراہیم نے) کہا بلکہ یہ تو ان کے اس بڑے نے کی ہے سو تم ان سے پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں پھر وہ اپنے دل میں سوچنے لگے اور کہنے لگے کہ حقیقت میں تم ہی ظالم ہو۔ پھر وہ (ندامت سے) سر جھکا کر کہنے لگے (اے ابراہیم) بیشک تم خوب جانتے ہو کہ یہ (بت) بولتے نہیں۔ (حضرت ابراہیم نے) کہا کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کچھ نفع دے سکے اور نہ کچھ نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔

جس مؤثر مگر دلیرانہ اسلوب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کا مقابلہ کیا اور اسے دعوت حق دی اسی اسلوب میں اپنے باپ سے بھی زیادہ سخت اور جابر، بادشاہِ وقت، نمرود کا مقابلہ کیا غرور و سرکشی میں اس کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ وہ ضد و عناد اور تکبر میں اس قدر آگے نکل گیا تھا کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل شہر کے قریب پیدا ہوئے تھے۔ جب وہاں کے لوگوں میں ان کی

۵۔ الانبیاء: ۵۲۔ ۶۷

توحید پرستی کی شہرت اور بت پرستی کی مذمت عام ہوئی تو وہاں کے بادشاہ نمرود بن کوش نے جو سخت بے دین، بدعقل اور ملحد تھا، حضرت ابراہیم کو بلا کر پوچھا کہ ''رب'' کون ہے اور کہاں ہے۔ اگر ہے تو مجھے دکھاؤ۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ ہم دنیا میں ایک ایسا فعل پاتے ہیں جو کسی کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔ لہٰذا اس فعل کا فاعل ہی قادر مطلق اور تمام جہانوں کا رب ہے۔ قادر مطلق کا وہ فعل زندگی اور موت دینا ہے۔ نہ کوئی از خود زندہ یعنی پیدا ہوسکتا ہے اور نہ کوئی کسی کو زندہ یعنی پیدا کرسکتا ہے اور نہ مار سکتا ہے۔

اس کے جواب میں نمرود نے کہا کہ میں بھی زندہ کرسکتا ہوں اور مار سکتا ہوں، پھر اس نے دو آدمیوں کو طلب کیا اور ایک کو قتل کرادیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا۔ گویا وہ عمل حیات و موت اور تخلیق حیات و موت میں فرق نہ کرسکا۔ حضرت ابراہیم نے جواب دیا اگرچہ دنیا میں رب العالمین کے تمام کام عادتاً اسباب پر مبنی ہیں مگر وہ اسباب بھی اس کے قبضے میں ہیں۔ ان ہی اسباب میں سے سورج کا طلوع و غروب کرنا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے، وہ اس کو مغرب سے بھی طلوع کرسکتا ہے یا جس طرح اس کی مشیت ہوکرسکتا ہے۔ سو اگر تو اپنے آپ کو اپنے اعمال پر قادر جانتا ہے اور اللہ کا انکار کرتا ہے تو سورج کو مغرب سے طلوع کردے۔ یہ سن کر نمرود حیرت زدہ اور بھونچکا ہوگیا۔ قرآن کریم نے سورۂ بقرہ میں اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهِيْمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (۶)

(اے نبی ﷺ) کیا آپ نے دیکھا جو ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے حجت کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت عطا کی تھی جب حضرت ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اس نے کہا میں بھی تو زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ حضرت ابراہیم نے کہا اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے سو تو اس کو مغرب سے نکال دے۔ اس پر وہ کافر ہڑبڑا کے رہ گیا اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہ بھی حضرت ابراہیم کی شجاعت ہی تھی جس نے انہیں نمرود کے روبرو اس دلیری کے ساتھ کلمۂ حق کہنے پر

۶۔ البقرہ: ۲۵۸

آمادہ کیا، اور انہوں نے اس فطری شجاعت سے کام لیتے ہوئے نمرود کے باطل مزعومات کے تاروپود بکھیر دیئے۔

حضرت موسیٰ کی شجاعت

فرعون وجود باری کا منکر تھا اور اپنے آپ کو سب کا خدا کہتا تھا۔ اس نے بنی اسرائیل کو نہایت ذلیل اور پست کر کے رکھا ہوا تھا، ان پر بے پناہ ظلم ڈھاتا تھا، ان کے لڑکوں کو قتل کرتا اور لڑکیوں کو اپنی قوم کی خدمت کے لئے زندہ رکھتا تھا۔ چنانچہ اللہ کے پیغمبر حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام نے اس سرکش ترین اور حد سے نکلے ہوئے بادشاہ مصر، فرعون سے رو در رو ہو کر نہایت ہمت و شجاعت اور ثابت قدمی کے ساتھ اس کو ایمان باللہ، اپنے دعوۂ ربوبیت سے دستبردار ہونے اور ظالمانہ افعال ترک کرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا:

اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّکَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّکَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ○ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی ○ قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی ○ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ○ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ○ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ کِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی ○ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَکَ لَکُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (۷)

ہم دونوں تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں سو تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو تکلیف نہ دے، تحقیق ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانیاں لے کر آئے ہیں اور سلامتی اس کے لئے ہے جو سیدھے راستے پر چلے۔ بیشک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ اس کا عذاب اس کے لئے ہے جو حق کی تکذیب کرے اور اس سے روگردانی کرے۔ فرعون نے کہا اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے۔ موسیٰ نے کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خاص صورت عطا کی، پھر رہنمائی فرمائی۔ فرعون نے کہا پہلے زمانے کے لوگوں کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ نے کہا کہ اس کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں موجود ہے، نہ میرا رب غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے، اس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے چلنے کے لئے راستے بنائے اور آسمان سے پانی برسایا۔

۷۔ طٰہٰ: ۴۷۔۵۲

فرعون بھی اپنے دور کا ظالم ترین حکمراں اور اپنے رب ہونے کے دھوکے میں مبتلا تھا۔ اس کے سامنے اس طرح اظہار حق بھی اعلیٰ ترین ہمت اور شجاعت کا بغیر ممکن نہ تھا۔

حضرت داوٗد کی شجاعت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد بنی اسرائیل رفتہ رفتہ احکام توریت سے دور ہوتے گئے اور شرک و بدعت میں پڑ گئے، تاہم ان میں پے در پے انبیا مبعوث ہوتے رہے یہاں تک کہ جب ان کی بے باکیاں حد سے گزر گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن عمالقہ کو ان پر مسلط کر دیا۔ جالوت نے جو کافروں کا بادشاہ تھا بنی اسرائیل کو مار بھگایا اور ان کے بہت سے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ بنی اسرائیل دشمن کے حملوں سے گھبرا کر بیت المقدس میں جمع ہو گئے۔ غالبًا یہ شموئل نبی کا زمانہ تھا۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے ایک بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تاکہ وہ اس کی سرکردگی میں جہاد کر سکیں۔ ان کے نبی نے کہا کہ تمہاری حالت سے مجھے توقع نہیں کہ اگر تم پر جہاد فرض ہو گیا تو تم بادشاہ کے ساتھ مل کر جہاد کرو گے۔ بنی اسرائیل نے کہا کہ ہمارا ملک چھین لیا گیا، ہمارے بال بچے گرفتار کر لئے گئے تو کیا پھر بھی ہم مرنے مارنے سے ڈریں گے۔ آخر جب انھوں نے جہاد پر اپنی پختگی اور آمادگی کا یقین دلایا اور ان کے اصرار کے بعد ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے چند آدمیوں کے سوا سب پیٹھ دکھا گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی ۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّہُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ ہَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡہِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ (۸)

کیا آپ نے بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا جنہوں نے حضرت موسیٰ کے بعد اپنے نبی سے کہا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دو تاکہ ہم (اس کی سرپرستی میں) اللہ کی راہ میں لڑیں، ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم نہ لڑو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم سے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں، حالانکہ ہمیں اپنے گھروں سے اور اپنے بال بچوں سے نکالا جا چکا ہے۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو چند آدمیوں کے سوا سب پھر گئے۔

۸۔ البقرہ: ۲۴۶

جب طالوت اور اس کے ساتھی جن کی تعداد صرف ۳۱۳ تھی جالوت کی فوجوں کے سامنے ہوئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے ہمارے رب! ہمیں صبر و ہمت عطا فرما اور کافروں کے مقابلے میں ثابت قدم رکھ، ہماری مدد فرما اور ہمیں فتح سے ہم کنار کر، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرما کر ان کو فتح سے ہم کنار کیا اور ان کی مٹھی بھر جماعت نے جالوت کے ٹڈی دل لشکر کو تہس نہس کر دیا اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جو اس وقت طالوت کے لشکر میں شامل تھے جالوت کو قتل کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ O فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ (۹)

اور جب وہ (طالوت کے ساتھی) جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے پر آئے تو دعا کرنے لگے کہ اے ہمارے رب ہمارے دلوں میں صبر و استقلال ڈال دے اور ہمارے پاؤں جما دے اور ہمیں کافر قوم پر غالب کر۔ پھر انہوں نے ان (جالوت کے لشکر) کو اللہ کے حکم سے شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔

یقیناً حضرت داؤد اور ان کے لشکر کی یہ فتح ہمت و شجاعت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔ تین سو تیرہ افراد کی ایک ٹڈی دل لشکر کے سامنے کیا حیثیت؟ یہ حضرت داؤد اور ان کے لشکر کی شجاعت اور اللہ کی عنایت تھی بہ ظاہر کم تعداد رکھنے والا لشکر غالب آ گیا اور غالب اکثریت اس کی ہمت و شجاعت کے سامنے شکست کھا گئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت

حق گوئی، راست گفتاری، ثابت قدمی اور عزم و استقلال جیسی اعلیٰ صفات شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان صفات میں بھی کمال رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے شجاعت بشریہ کی اعلیٰ مثالیں قائم کی ہیں۔ صغر سنی ہی سے آپ کی شجاعت معلوم و معروف ہے۔ صرف ۱۴ یا ۱۵ سال کی عمر میں آپ نے اپنے چچاؤں کے ساتھ حرب فجار میں شرکت فرمائی۔ (۱۰)

پھر متعدد مواقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ایسے مصائب و خطرات سے دوچار ہونا پڑا، جن کے سامنے بڑے بڑے بہادروں اور سورماؤں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، ان کے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں اور پیش قدمی کی بجائے پسپائی پر مجبور ہو جاتے ہیں مگر ایسے انتہائی پرخطر حالات میں بھی آپ نہایت جرأت

۹۔ البقرہ: ۲۵۰، ۲۵۱ ۱۰۔ ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ، دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸، ج ۱، ص ۲۰۹۔ ابن کثیر السیرۃ النبویہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت: ج ۱، ص ۲۵۵

واستقلال کے ساتھ سینہ سپر رہے، تاریخ عالم میں بڑے بڑے نامور بہادروں کا حال درج ہے۔ان میں سے ہر ایک کا قدم کبھی نہ کبھی ضرور پھسلا ہے۔صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی ایسی ہے جو ہر موقع، ہر مشکل، ہر گھڑی اور ہر قسم کے خطرناک ترین حالات میں نہایت ثابت قدم رہی۔ یہی نہیں بلکہ متعدد مواقع پر جب دشمن فوج کے حملوں سے صحابہ کرام کے قدم ڈگمگانے لگے تو انھوں نے بھی اس وقت آپ ہی کے دامن میں آ کر پناہ لی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت و بسالت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب میدان کارزار میں گھمسان کا رن پڑتا اور دونوں گروہ گتھم گتھا ہو جاتے اور فرط غضب سے آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں آ کر پناہ لیتے تھے۔ہم میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دشمن کے قریب نہ ہوتا تھا۔(۱۱)

حضرت براء فرماتے ہیں کہ جب جنگ شدت اختیار کر لیتی اور گھمسان کا رن پڑتا تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آڑ لیتے اور ہم میں سے بڑا شجاع اور بہادر وہ ہوتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محاذ میں رہتا۔(سبل الہدیٰ والرشاد: ج ۷، ص ۴۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شجاع دیکھا اور نہ مضبوط وقوی اور فیاض دیکھا اور نہ دوسرے اخلاق کے اعتبار سے پسندیدہ دیکھا۔(۱۲)

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ جب بھی کفار کے لشکر سے ہمارا سامنا ہوتا تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان پر وار کرتے تھے۔(۱۳)

آپ کی شجاعت کے چند وقعات

۱۔صفا پہاڑی کا وعظ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے علانیہ تبلیغ دین کا حکم ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہمت وجرأت کے ساتھ اہل قریش کو صفا پہاڑی پر جمع کر کے ان کو اللہ تعالیٰ کے تحت عذاب سے خبردار کیا، حالانکہ اس وقت تک چند ہی افراد اسلام لائے تھے۔ چنانچہ صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آیت **وانذر عشیرتک الاقربین** نازل ہونے کے بعد ایک روز آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر اہل قریش کو نام بنام پکارا جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ دیکھو! اگر میں

۱۱۔شامی/سبل الہدیٰ والرشاد، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۳ء: ج ۷، ص ۴۶۔الشفاء: ج ۱، ص ۶۷

۱۲۔الدارمی/السنن، قدیمی کتب خانہ کراچی: ج ۱، ص ۴۴۔الشفا: ص ۶۷ ۱۳۔سبل الہدیٰ والرشاد: ج ۷، ص ۴۷

تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کا ایک لشکر جمع ہے جو تم پر حملے کے لئے آرہا ہے تو تم میری تصدیق کرو گے؟ سب نے کہا ہاں کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب میں تمہیں اللہ کے عذاب سے خبردار کرتا ہوں جو بالکل سامنے ہے۔ یہ سن کر ابولہب نے کہا کہ ہلاکت ہو تیرے لئے کیا تو نے اسی لئے ہمیں جمع کیا تھا۔ (۱۴)

آپ کا یوں اہلِ قریش سے خطاب فرمانا آپ کی شجاعت کی بینِ دلیل ہے، ایک ایسے موقع پر جب قریش کی جانب سے کسی بھی قسم کا ردِ عمل متوقع تھا، آپ کی جانب سے دعوتِ اسلام ہمت و شجاعت کے بغیر ممکن نہیں تھی۔

۲۔ قریش کا ابو طالب کے پاس آنا: قریش کے معززین ایک مرتبہ پھر جمع ہو کر ابو طالب کے پاس آئے اور کہا "اے ابو طالب! آپ عمر میں بھی ہم سب سے بڑے ہیں۔ آپ کی عزت و مرتبہ بھی ہم سب سے بلند ہے۔ ہم سب نے آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روکیں لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ خدا قسم! اب ہم اپنے معبودوں کی مذمت اور اپنے آبا و اجداد کی تذلیل پر صبر نہیں کر سکتے۔ اب یا تو تم ہمارے درمیان میں نہ پڑو، ہم خود سمجھ لیں گے یا پھر تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ کہہ کر وہ لوگ غصے میں اٹھ کر چلے گئے۔ ابو طالب سخت پریشان ہوئے کہ ساری قوم سخت ناراض اور دشمن ہو گئی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابو طالب نے کہا "اے پیارے بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئے تھے اور یہ یہ باتیں کہہ کر گئے ہیں۔ لہٰذا تم مجھ پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو" چچا کی گفتگو سن کر آپ کو خیال ہوا کہ اب یہ اپنے آپ کو کفار کے مقابلے میں کمزور محسوس کر رہے ہیں۔ اس لئے میری حمایت سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا اے چچا خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی لا کر رکھ دیں اور یہ کہیں کہ میں احکامِ الٰہی کی تبلیغ چھوڑ دوں تو یہ نہیں ہو سکتا۔ یا تو اللہ کا دین غالب ہو گا اور شرک و بت پرستی ختم ہو جائے گی یا پھر میں نہ رہوں گا اور ہلاک کر دیا جاؤں گا۔ یہ کہہ کر آپ اٹھ کر چل دیئے۔ (۱۵)

۳۔ مقاطعۂ بنی ہاشم: اور جب قریش نے دیکھا کہ صحابہ کرام کو حبشہ کی صورت میں مامون و محفوظ جگہ میسر آ گئی ہے۔ حضرت عمر و حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما اسلام لا کر اس کی تقویت کا باعث بن رہے ہیں اور

۱۴۔ بخاری/ الصحیح، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۳ء: ج ۳، ص ۱۵۹۔ ۱۵۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۴۔۵۔ ابن سید الناس/ عیون الاثر، مکتبہ دار التراث، مدینہ منورہ ۱۹۹۲ء: ج ۱، ص ۸۹

قرب و جوار کے قبائل میں اسلام مسلسل پھیل رہا ہے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ بنایا۔ یہ بات ابو طالب کو پہنچی تو انہوں نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو جمع کیا اور انہیں آپ کے در پے ہونے والوں سے آپ کو تحفظ دینے کی ترغیب دی۔ چنانچہ انہوں نے ابو طالب کی پکار پر لبیک کہا حتیٰ کہ کفار بھی قبائلی حمیت کی بنا پر آپ کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔ جب قریش نے یہ دیکھا کہ بنی ہاشم اور بنی مطلب آپ کی حفاظت کے سوال پر متحد ہو چکے ہیں تو انہوں نے جمع ہو کر یہ معاہدہ کیا کہ جب تک یہ آپ کو قریش کے حوالے نہ کر دیں اس وقت تک ان کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے۔(۱۶)

ابن حجر اور ابن قیم کے مطابق اس مقاطعے کی ابتدا سن سات نبوی ماہ محرم کی پہلی رات کو ہوئی۔ (۱۷) اس معاہدے کے بعد ابو طالب مجبوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے خاندان کے لوگوں کو لے کر شعب ابی طالب میں چلے گئے جو بنو ہاشم کا موروثی پہاڑی درہ تھا۔ بنو ہاشم اور بنو المطلب میں سے مومن و کافر سب نے ابو طالب کا ساتھ دیا سوائے ابولہب کے جو قریش کے ساتھ شریک رہا۔ ان لوگوں میں عورتیں، مرد، بچے اور بوڑھے سب ہی شامل تھے۔ یہ لوگ شعب ابی طالب میں تقریباً ۳ سال محصور رہے اور انہوں نے ایسی ایسی جان سوز تکلیفیں برداشت کیں۔ جن کو سن کر پتا پانی ہو جاتا ہے۔ ان سب حالات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات میں ذرا جنبش نہیں ہوئی۔

اس قدر سخت ترین حالات کا مقابلہ تائید خداوندی اور بے مثال ہمت و شجاعت کے بغیر ممکن نہیں تا۔

۴۔ طائف کا سفر: ابو طالب کی وفات کے بعد مشرکین مکہ نہایت آزادی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے لگے لہٰذا اہل مکہ سے ناامید ہو کر آپ نے شوال ۱۰ نبوی میں دعوت اسلام کی غرض سے طائف تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا کہ شاید وہاں کے لوگ اسلام قبول کر لیں۔ اس سفر میں زید بن حارثہ آپ کے ہمراہ تھے۔ راستے میں جو قبائل آباد تھے آپ ان سب کو وعظ و تبلیغ اور توحید کا پیغام پہنچاتے ہوئے طائف پہنچے۔ اس سرسبز اور سرد علاقے میں بنو ثقیف آباد تھے۔ سب سے پہلے آپ اس قبیلے کے تین سرداروں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس گئے جو قبیلے کے سردار اور شریف سمجھے جاتے تھے۔ یہ تینوں عمیر کے بیٹے اور سگے بھائی تھے۔ آپ نے ان کو دعوت اسلام دی، مگر یہ لوگ حق بات سننے کی بجائے آپ

۱۶۔ ابن حجر العسقلانی / فتح الباری، قدیمی کتب خانہ، کراچی: ج ۷، ص ۲۴۴۔ زرقانی / شرح مواہب اللدنیہ، دار المعرفہ، بیروت ۱۹۹۳ء: ج ۱، ص ۲۷۸ ۱۷۔ ابن القیم جوزیہ / زاد المعاد، مکتبۃ المنار الاسلامیہ، کویت، ۱۹۸۷ء: ج ۳، ص ۳۰۔ فتح الباری: ج ۷، ص ۲۴۴

کے ساتھ نہایت بے رخی اور بداخلاقی سے پیش آئے۔ اس کے بعد ان بدبختوں نے کچھ اوباش اور آوارہ لڑکوں کو اکسایا کہ وہ آپ کی ہنسی اڑائیں اور آپ پر پتھر برسائیں۔ چنانچہ اوباش اور آوارہ لوگوں نے آپ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ زخمی ہوگئے اور آپ کی پنڈلیوں سے خون بہنے لگا جس سے آپ کے جوتے بھر گئے۔ جب آپ تکلیف کے سبب بیٹھ جاتے تو یہ بدنصیب بازو تھام کر کھڑا کردیتے اور جب آپ چلنے لگتے تو پھر پتھر برساتے، نازیبا کلمات کہتے اور تالیاں بجاتے۔ اس تمام عرصے میں زید بن حارثہ برابر آپ کو بچانے کی کوشش کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا تمام سر زخمی ہوگیا۔ آپ نے ان شریروں سے بچنے کے لئے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کے باغ میں پناہ لی۔ اس وقت جو لوگ آپ کا پیچھا کر رہے تھے وہ سب لوٹ گئے۔ (۱۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں دس روز قیام فرمایا اور اس دوران آپ نے وہاں کے کسی سردار کو نہیں چھوڑا، ہر ایک کے پاس گئے اور اسے اسلام کی دعوت دی مگر ان میں سے ہر ایک نے یہی کہا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ (۱۹)

مگر اس کے باجود آپ ﷺ نہ صرف ناامید نہیں ہوئے بلکہ جب حضرت جبرئیل نے آکر یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں پر مامور فرشتے کو بھیجا ہے، اگر آپ حکم کریں تو وہ اہل مکہ اور اہل طائف کو ان کی گستاخیوں کی سزا دے اور انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالے تو آپ نے یہی فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے بلکہ مجھے امید ہے کہ ان کی نسل میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ (۲۰)

۵۔ سفر ہجرت: یہ سفر ایسا کٹھن اور دشوار تھا کہ اس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس میں بھی ہر مرحلے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہمت وجرأت کا مظاہرہ فرمایا۔ جب انصار مدینہ کے مسلمان ہو جانے کے بعد بہت سے صحابہ ہجرت کر کے مدینے چلے گئے اور وہاں مسلمانوں کا ایک مرکز قائم ہوگیا تو مشرکین مکہ کو تشویش لاحق ہوئی کہ اب اس بات کا قوی امکان ہے کہ آپ بھی وہاں تشریف لے جائیں اور پھر قوت جمع کر کے ہم پر حملہ آور ہو جائیں۔ اس لئے انھوں نے دارالندوہ میں جمع ہو کر آپ کے قتل کا فیصلہ کیا (نعوذ باللہ) قریش کے سرداروں کی اس مجلس میں جو تین رائیں پیش ہوئی تھیں

۱۸۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، حیدرآباد دکن: ج ۱۰، ص ۸۰۔ ابن ہشام: ج ۲، ص ۱۷۲۔ عیون الاثر: ج ۱، ص ۲۳۱۔۲۳۳　۱۹۔ زاد المعاد: ج ۳، ص ۳۱　۲۰۔ بخاری: ج ۲، ص ۱۴۶

قرآن کریم نے ان کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْیَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ط وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ط وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ O (۲۱)

اور جب کفار آپ کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر لیں یا آپ کو قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں، وہ بھی تدبیریں کرتے ہیں اور اللہ بھی تدبیریں کرتا ہے مگر اللہ بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

مشرکین کی مجلس برخاست ہوتے ہی جبرائیل امین اللہ کی طرف سے وحی لے کر آئے اور آپ کو تمام واقعہ سے مطلع کیا اور اللہ کی طرف سے ہجرت مدینہ کی اجازت کا پیغام پہنچایا اور کہا کہ آج رات کو آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں جس پر آپ روزانہ سوتے ہیں۔(۲۲)

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے روانہ ہو کر غار ثور میں چھپ گئے۔(۲۳)

ابونعیم نے عائشہؓ بنت قدامہ کی روایت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں ابوبکر کے مکان کی کھڑکی سے حلیہ بدل کر روانہ ہوا۔ سب سے پہلے ہمیں ابوجہل ملا۔ اللہ نے اسے اندھا کر دیا اور وہ مجھے اور ابوبکر کو نہ دیکھ سکا یہاں تک کہ ہم آگے بڑھ گئے۔(۲۴)

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے غار پر ایک درخت اگا دیا اور کبوتروں نے اللہ کے حکم سے غار کے منہ پر انڈے دے دیئے اور اللہ نے مکڑی کو بھیج دیا جس نے اپنا جالا تن دیا۔ پھر جب قریش کے لوگ آپ کی تلاش میں وہاں پہنچے اور ان میں سے ایک نے غار کی طرف دیکھنے کی کوشش کی تو کبوتروں کے سوا کچھ نظر نہ آیا اور جب ساتھیوں نے پوچھا کہ کیا ہوا تو اس نے کہا کہ وہاں تو کبوتر ہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کوئی نہیں۔(۲۵)

بخاری و مسلم، ترمذی اور مسند احمد میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں تھے اور قریش ہمیں تلاش کرتے کرتے غار کے منہ پر آ کھڑے ہوئے تو اس وقت میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم غار میں ہیں اور قریش اوپر

۲۱۔ الانفال: ۳۰　۲۲۔ ابن سعد/ الطبقات الکبریٰ، دار الکتب العلمیہ، بیروت: ج۱، ص ۱۰۹۔ ابن ہشام: ج۲، ص۲۲۲۔ عیون الاثار: ج۱، ص۲۹۳،　۲۳۔ سیرت ابن کثیر: ج۲، ص۲۳۴۔ شامی: ج۳، ص۲۳۹
۲۴۔ شامی: ج۳، ص۲۳۹　۲۵۔ شامی: ج۳، ص۲۴۰۔

ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو نیچے ہمیں ضرور دیکھ لے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ابوبکر تمہارا ان دو شخصوں کے بارے میں کیا خیال ہے، جن کا تیسرا اللہ ہے یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے۔(۲۶)

دشمن سر پر موجود ہے مگر آپ ﷺ نہ صرف اپنے خود پر مطمئن ہیں بلکہ اپنے رفیق غار صدیق اکبرؓ کا بھی حوصلہ بڑھا رہے ہیں، صبر و استقلال اور ہمت و شجاعت کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہوسکتا ہے۔

۶۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ سخی اور سب سے زیادہ شجاع تھے۔ ایک دفعہ مدینے میں شور ہوا (کہ دشمن آ گیا) اہل مدینہ گھبرا گئے اور اس طرف روانہ ہوگئے جس طرف سے آواز آئی تھی۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم آواز کی تحقیق کے بعد حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار مدینے کی طرف واپس آتے ہوئے ان لوگوں کو ملے۔ گھوڑے کی پشت ننگی تھی اور آپ کے گلے میں تلوار حمائل تھی اور آپ فرما رہے تھے کہ خطرے کی کوئی بات نہیں۔ ابوطلحہ کا گھوڑا اپنی سست رفتاری کی وجہ سے مشہور تھا۔ آپ کی سواری کی وجہ سے اتنا تیز ہو گیا کہ آپ نے واپس آ کر فرمایا کہ ہم نے اس کو سمندر کی مانند پایا۔(۲۷)

آپ ﷺ کا تن تنہا نکل کر صورت حال کا جائزہ لینا شجاعت کے بغیر ممکن نہ تھا۔

۷۔ **غزوۂ بدر:** یہ غزوۂ جمعہ کے روز ۱۷ رمضان المبارک ۲ھ کو ہوا۔ اس میں صرف ۳۱۳ بے سرو سامان مسلمانوں کو ہر طرح کے سامان حرب وضرب سے لیس مشرکین مکہ کے ایک ہزار کے لشکر جرار کا سامنا تھا۔ جب گھمسان کا رن پڑا تو آپ بنفس نفیس میدان کارزار میں موجود تھے۔ آپ نے زمین سے ایک مشت خاک اٹھا کر اس پر شاہت الوجوہ (چہرے بگڑ گئے)۔ پڑھتے ہوئے کافروں پر پھینک ماری اور صحابہ کو حکم دیا کہ کافروں پر ٹوٹ پڑو۔ مشرکین میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں اس مشت خاک کے ذرات نہ پہنچے ہوں۔ اس مٹھی بھر خاک کا پھینکنا تھا کہ کفار کا لشکر سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ بڑے بڑے بہادر اور جانباز قتل اور قید ہونے لگے۔ اس غزوے میں مشرکین کے ستر نامور افراد مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ حقیقت میں یہ عذاب الٰہی تھا جو ان پر ذلت آمیز شکست کی شکل میں نازل ہوا۔

حضرت علی جیسے جری اور بہادر جنہوں نے بڑے بڑے معرکے سر کئے، کہتے ہیں کہ بدر کے دن جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگوں نے آپ ہی کی آڑ میں آ کر پناہ لی۔ آپ سب سے زیادہ شجاع تھے۔(۲۸)

۲۶۔ بخاری: ج ۲، ص ۲۳۱۔ ج ۳، ص ۹۷۔ مسلم باب فضل ابی بکر صدیق

۲۷۔ الشفاء، ۶۷۔ بخاری: ج ۲، ص ۶۵۔ مسلم کتاب الفضائل باب فی شجاعۃ النبی　۲۸۔ شامی: ج ۷، ص ۴۶

۸۔ غزوۂ احد: اس میں مشرکین نے ۳۰۰۰ جوانمرد بہادروں کے لشکر جرار کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کی۔ان میں سات سو زرہ پوش جوان، ۲ سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ۹۵۰ یا ایک ہزار مجاہدین کو ہمراہ لے کر احد کی طرف نکلے۔جب آپ ﷺ احد کے قریب پہنچے تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لشکر سے علیحدہ کر کے یہ کہتا ہوا واپس لے گیا کہ آپ نے میری رائے نہیں مانی، ہم بلاوجہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں کیوں ڈالیں۔اس طرح منافقوں کے چلے جانے کے بعد مسلمانوں کی تعداد صرف سات سو رہ گئی۔ان میں صرف سو زرہ پوش تھے اور لشکر کے ساتھ دو گھوڑے تھے۔ان حالات میں یہ غزوہ ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کو پشت پر رکھ کر صفوں کو ترتیب دیا۔پشت کی طرف ایک درے سے دشمن کے حملے کا احتمال تھا اس لئے پچاس تیر اندازوں کا دستہ درے پر متعین فرما دیا اور ان کو حکم دیا کہ اگر تم ہمیں مشرکوں پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اپنی جگہ نہ چھوڑنا اور نہ ہماری مدد کے لئے آنا۔(۲۹)

لڑائی میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔مشرکوں کے سواروں نے مسلمانوں پر بار بار حملہ کیا مگر ہر بار مسلمان تیر اندازوں نے ان پر تیروں کی بارش کر کے ان کو پسپا کر دیا۔آخر حضرت علی، حضرت حمزہ، حضرت ابو دجانہ وغیرہ صحابہ کے تابڑ توڑ حملوں سے کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ان کی صفیں تتر بتر ہوگئیں۔اور وہ پیٹھ پھیر کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔اللہ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا۔

ادھر تیر اندازوں کے دستے نے کافروں کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گیا۔خالد بن ولید کو جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے پہاڑی درے پر تیر اندازوں کی تعداد بہت کم نظر آئی تو انہوں نے اپنے سواروں کے ساتھ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا عکرمہ بھی ان کے ساتھ تھے۔اس ناگہانی حملے سے مسلمان بدحواس ہو گئے اور ان کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔جو مال لوٹا تھا وہ بھی چھوڑ دیا اور قیدی بھی چھوڑنا پڑے۔دیکھتے ہی دیکھتے حکم نبوی کی خلاف ورزی پر مسلمانوں کی فتح شکست میں بدل گئی اور دشمن آپ کے نزدیک پہنچ گئے۔(۳۰)

خالد بن ولید کے اچانک حملے سے اگرچہ اچھے اچھوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور لوگ بدحواسی اور اضطراب کا شکار تھے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبت میں ذرا بھی فرق نہیں آیا حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا۔آپ اپنی جگہ سے ایک

۲۹۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۴ ۳۰۔ بخاری: ج ۳، ص ۱۴۔ مظہری: ج ۲، ص ۱۴۸

بالشت بھی نہیں ہٹے اور دشمن کے مقابلے پر ڈٹے رہے صحابہ کی ایک جماعت کبھی آپ کے پاس (حفاظت کے لئے) آتی تھی اور کبھی جاتی تھی اور میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اپنی کمان سے برابر تیر پھینک رہے تھے یہاں تک کہ دشمن آپ سے ہٹ گئے۔(۳۱)

۹۔ ابی بن خلف کا قتل: یہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے وقت کہا کرتا تھا کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے جس کو میں روزانہ ایک فرق (آٹھ سیر کا ایک پیانہ) دانہ کھلا کر پالتا ہوں۔ اسی پر سوار ہو کر میں (نعوذ باللہ) آپ کو قتل کروں گا۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں ہوگا بلکہ میں تجھے قتل کروں گا انشاء اللہ۔ چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس آرہے تھے تو یہ بدبخت اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آپہنچا اور کہنے لگا کہ اگر اب تم بچ نکلے تو خدا مجھے نہ بچائے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم میں سے کوئی آدمی اس کو قتل نہ کردے۔ آپ نے فرمایا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جب وہ قریب آیا تو آپ نے حارث بن صمہ سے چھوٹا نیزا لے کر اس کی گردن میں ایک چوکا دیا۔ ابی لڑھک کر گھوڑے سے نیچے گر پڑا اور بیل کی طرح دھاڑنے لگا اور کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مار ڈالا۔ لوگوں نے دیکھ کر کہا یہ تو معمولی خراش ہے کوئی خطرے کی بات نہیں۔ ابی کہنے لگا کہ اگر نیزے کا یہ زخم ربیعہ اور مضر کے تمام لوگوں کو لگتا تو ان کو بھی ہلاک کردیتا۔ کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کردوں گا۔ اس کے بعد تو اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تب بھی میں ہلاک ہوجاتا۔ ابی بن خلف اسی طرح بلبلاتا رہا یہاں تک کہ مقام ثیرف میں پہنچ کر مر گیا۔(۳۲)

۱۰۔ غزوۂ خندق: غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آنے والا لشکر ایک ہزار کا تھا۔ غزوۂ احد میں مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔ غزوۂ خندق میں کفار کی تعداد ۱۰ سے پندرہ ہزار تھی جو اس سے پہلے کے تمام لشکروں سے کئی گناہ زیادہ تھی اور سامان حرب بھی بہت زیادہ تھا۔ اسی لئے یہ غزوۂ دوسرے تمام غزوات سے زیادہ شدید تھا۔ اس کی شدت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اِذْ جَآءُ وْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۝ هُنَالِکَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالاً شَدِیْدًا۝ (۳۳)

جب وہ تمہارے اوپر کی جانب سے تم پر آئے (بنی اسد، بنی غطفان) اور تمہارے نشیبی

۳۱۔ مظہری: ج ۲ ص ۱۴۹ ۳۲۔ ابن ہشام: ج ۳ ص ۱۲۶۔ مظہری: ج ۲ ص ۱۵۰۔۱۵۱ ۳۳۔ الاحزاب: ۱۰۔۱۱

جانب سے آئے اور جب آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے اور تم لوگ اللہ کے متعلق طرح طرح کے گمان کرنے لگے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں کا امتحان لیا گیا اور ان کو شدید طریقے سے جھنجھوڑ دیا گیا۔

جب آپ کو مشرکین کے اتنی بڑی تعداد میں مدینے پر حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی تو آپ نے مہاجرین وانصار کو جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت سلمان فارسی نے مشورہ دیا کہ فارس کے بادشاہ ایسی صورت میں دشمن کا حملہ روکنے کے لئے خندق کھود کر ان کا راستہ روک دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت سلمان کے مشورے پر کوہ سلع کے پیچھے خندق کھدوائی۔ جس کی لمبائی تقریباً ساڑھے تین میل تھی۔ خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان نکل آئی جس کو توڑنا سخت دشوار ہو گیا۔ حضرت سلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! خندق کے اندر ایک سفید چٹان نکل آئی۔ اس نے ہمارے آہنی اوزار توڑ دیئے۔ اب آپ کا کیا حکم ہے۔ آپ خندق کے اندر اتر گئے۔ آپ نے حضرت سلمان کے ہاتھ سے کدال لے کر چٹان پر ایک شدید ضرب لگائی جس سے اس کا ایک تہائی حصہ کٹ گیا۔ اس طرح تین ضربوں میں پوری چٹان ٹوٹ گئی۔ کھدائی کا کام مکمل ہونے کے بعد مشرکین کا لشکر بھی پہنچ گیا۔ (۳۴)

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے کہ آپ اپنے خیمے کے اندر سو رہے تھے۔ آدھی رات کو کچھ شور ہوا تو آپ نیند سے بیدار ہو کر خیمے سے باہر تشریف لائے اور دیکھا کہ عباد بن بشیر کچھ لوگوں کے ہمراہ آپ کے خیمے کی چوکیداری کر رہے ہیں۔ آپ نے عباد سے دریافت فرمایا یہ کیسا شور تھا اور پھر عباد کو حکم دیا کہ جا کر خبر لاؤ۔ عباد چلے گئے اور آپ ان کا انتظار فرماتے رہے۔ کچھ دیر بعد آ کر عباد نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرو بن عبدود مشرکوں کی ایک ٹولی لے کر مسلمانوں سے لڑ رہا ہے۔ دونوں طرف سے تیر اندازی اور سنگ باری ہو رہی ہے۔ یہ سن کر آپ اندر تشریف لے گئے اور مسلح ہو کر برآمد ہوئے پھر گھوڑے پر سوار ہو کر صحابہ کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد خوش خوش واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شرارت کو دفع کر دیا اور وہ بہت سے زخم کھا کر بھاگ گئے۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ سو گئے۔ کچھ دیر بعد پھر شور ہوا۔ آپ بیدار ہو گئے اور فرمایا عباد دیکھو کیسا شور ہے۔ عباد گئے اور پھر آ کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرار بن خطاب

۳۴۔ ابن ہشام: ج ۳، ص ۲۶۱۔ علی بن برہان الدین الحلبی / السیرۃ الحلبیہ / دار المعارفہ، بیروت: ج ۲، ص ۶۳۴

مشرکوں کے ایک گروہ کے ساتھ مسلمانوں پر تیراندازی اور سنگ باری کر رہا ہے۔ آپ پھر خیمے سے مسلح ہو کر برآمد ہوئے اور پھر کافروں سے لڑتے رہے اور اس میں صبح ہوگئی۔ آپ نے واپس آکر فرمایا کہ وہ لوگ بہت زخمی ہو کر بھاگ گئے۔ (۳۵)

محاصرۂ خندق کے دوران ایک دن بہت سخت تھا۔ کافروں نے پوری خندق کو گھیرا ہوا تھا، دن بھر سخت لڑائی ہوتی رہی۔ ہر طرف سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہو رہی تھی جو ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رک رہی تھی یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کو نماز کے لئے بھی ذرا مہلت نہ ملی۔ ظہر، عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں عشا کے وقت میں پڑھی گئیں۔ (۳۶)

آخر دشمن مغلوب ہوا اور اسے بھاگتے ہی بن پڑی۔ یہ کامیابی آپ کی بے مثال قیادت، ہمت اور شجاعت کے سبب ہی ممکن ہوئی۔ ورنہ حالات قطعاً مسلمانوں کے حق میں نہ تھے۔

۱۱۔ صلح حدیبیہ: آپ نے مدینہ میں ایک خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں امن کے ساتھ داخل ہوئے، کچھ لوگوں نے سر منڈوایا اور کچھ لوگوں نے سر کے بال کتروائے۔ اسی حالت میں آپ نے کعبہ کی کنجی لی اور بیت اللہ میں داخل ہو گئے۔ انبیا علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے خواب پورا ہونا یقینی تھا مگر خواب میں کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے ایک احتمال یہ بھی تھا کہ شاید یہ مقصد ابھی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ آپ ۶ھ ہجری میں یکم ذیقعدہ بروز پیر ۱۴ سو یا پندرہ سو صحابہ کے ساتھ روانہ ہوئے۔ کسی قسم کا اسلحہ ساتھ نہ تھا۔ سوائے تلواروں کے پھر حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر آپ نے قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے۔

آپ نے حضرت عثمان کو کہا کہ قریش کے پاس جا کر ان کو دعوت اسلام دو اور اطلاع دو کہ ہم ان سے لڑنے نہیں آئے، ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان نے آپ کا پیغام قریش کو پہنچایا۔ اسی اثنا میں آپ کو خبر ملی کہ حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں کو شہید کر دیا گیا۔ یہ سن کر آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک میں ان سے بدلہ نہیں لے لوں گا یہاں سے حرکت نہیں کروں گا۔ پھر آپ نے لوگوں کو جہاد پر بیعت کے لئے طلب فرمایا۔ یہ کوئی معمولی بیعت نہ تھی مسلمانوں کی تعداد صرف ۱۴ سو یا ۱۵ سو تھی۔ ان کے پاس کسی قسم کا سامان جنگ نہ تھا۔ وہ اپنے گھروں سے تقریباً ۳ سو میل دور تھے۔ کسی قسم کی امداد اور سامان جنگ کا حصول تقریباً ناممکن تھا۔ دوسری طرف مشرکین اپنے مرکزی شہر میں تھے، اپنی پوری طاقت سے مسلمانوں پر

۳۵۔ مظہری: ج ۷، ص ۳۲۴　　۳۶۔ حلبی: ج ۲، ص ۶۴۵

حملہ کر سکتے تھے۔ اور اپنی مدد کے لئے آس پاس کے اپنے حامی قبائل کو بھی بلا سکتے تھے۔ اس کے باوجود مسلمانوں کا پورا قافلہ جان کی بازی لگانے کے لئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے فوراً تیار ہو گیا۔ اخلاص، ایمان اور اللہ کے راستے میں جان کی بازی لگا دینے اور ہمت و شجاعت کی یہ اعلیٰ ترین مثال ہے۔ قریش کو جب اس بیعت کا علم ہوا تو وہ مرعوب اور خوف زدہ ہو گئے اور صلح پر آمادہ ہو گئے۔ (۳۷)

۱۲۔ غزوۂ حنین: مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام حنین ہے جہاں ہوازن اور ثقیف کے قبائل آباد تھے۔ جو نہایت جنگجو اور ماہر تیر انداز تھے۔ فتح مکہ کے بعد، اس خیال سے کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ ان کی طرف ہوگا، وہ پوری جنگی تیاری اور ۲۰ ہزار کا لشکر جمع کر کے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کے ارادے کی خبر ملی تو ۶ شوال ۸ھ بروز ہفتہ ۱۲ ہزار مسلمانوں کو لے کر آپ مکہ سے روانہ ہوئے۔ ان میں دس ہزار مدینہ والے تھے اور دو ہزار مکے والے۔

جونہی اسلامی لشکر کا اگلا حصہ جس میں بنی سلیم کے لوگ اور اہل مکہ تھے، وادیٔ حنین کی تنگ گھاٹیوں کے درمیان سے گزرنے لگا تو دشمن کے چھپے ہوئے لوگوں نے ان پر چاروں طرف سے تیر برسانا شروع کر دیئے جس سے یہ لوگ پسپا ہو کر ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ جب لوگ پسپا ہو کر ادھر ادھر بھاگنے لگے تو آپ نے اس راستے کو ترک فرما کر جس پر آپ اور اہل لشکر آگے بڑھ رہے تھے، دائیں جانب آگے بڑھنا شروع کیا۔ ظاہر ہے اس انتشار کی حالت میں لشکر کے ایک بڑے حصے کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ کس طرف آگے بڑھنا چاہتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہے جب آپ کے قریب صرف ۱۰۰ یا ۸۰ آدمی رہ گئے تھے حتیٰ کہ جب آپ نے خچر کو تیزی سے آگے بڑھایا تو لوگ سامنے سے ہٹتے رہے اور آپ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس کے بعد صرف وہ چار شخص رہ گئے جو آپ کے خچر کی باگ اور رکاب تھامے ہوئے تھے۔ آخر جب خچر بھی آپ کی منشا کے مطابق آگے نہ بڑھ سکا تو آپ اس سے اتر کر تنہا دشمن کی طرف بڑھے۔ (۳۸)

غرض جب لوگ منتشر ہو گئے اور آپ کے ساتھ صرف چند صحابہ رہ گئے تو آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے بیعت کی تھی، سورۂ بقر والے کہاں ہیں اور وہ انصار کہاں ہیں جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا۔ سب کو چاہئے کہ وہ واپس آئیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ہیں۔ (۳۹)

۳۷۔ ابن ہشام: ج ۴، ص ۲۷۔ زاد المعاد: ج ۳، ص ۲۸۶، ۲۹۰۔ شامی: ج ۵، ص ۴۳، ۴۶۔ عیون الاثر: ج ۲، ص ۱۶۶۔ الطبقات: ۲، ۲۹۸ ۳۸۔ ترجمہ شمائل ترمذی: ص ۱۸۸۔۱۸۹، ۳۹۔ الحلبی: ص ۶۵۔۶۶

حضرت عباس کی آواز سنتے ہی سب بھاگنے والے واپس آ کر آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ نے ان کو مشرکوں پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دشمن حملے کے تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا، ان کے ستر آدمی مارے گئے اور چھ ہزار قید کر لئے گئے۔ بہت سا مال ہاتھ آیا جس میں ۲۴ ہزار اونٹ، ۴۰ ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی شامل تھی۔ (۴۰)

اتنے بڑے لشکر کے مقابلے میں ایک ایسے موقع پر جب آپ ﷺ کے ساتھ صرف ۴ / افراد رہ گئے، آپ ﷺ کا ڈٹ جانا اور اپنے لشکر کو از سر نو ترتیب دے کر دشمن کو پس پائی پر مجبور کر دینا آپ ﷺ بے مثال شجاعت کی دلیل ہے۔

ہمارے رویئے

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمت و شجاعت کے کیسے کوہ گراں تھے، ہم چوں کہ آپ کے امتی کہلاتے ہیں اور ہمارے لئے آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو عملی نمونہ اور مثال قرار دیا گیا ہے۔ (۴۱) اس لئے آپ ﷺ کی اس بے مثال شجاعت کا پرتو اور عکس کسی نہ کسی درجے میں ہماری زندگیوں میں بھی نظر آنا چاہئے۔ مگر عملاً صورت بہت مختلف ہے ہمارے رویئے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر اسوۂ نبوی ﷺ سے کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ معمولی سا لالچ، ذرا سا دباؤ، چھوٹی سی کوشش اور مبہم سا بیان بھی ہماری ہمتیں سلب کرنے اور ہمیں مداہنت کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ یا مجبور کر دیتا ہے۔ مصالح کی نگہداشت اور مصلحت پسندی اپنی جگہ مگر جب انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مصلحت پسندی حاوی ہونے لگے تو انسان مسائل سے راہ فرار اختیار کرنے لگتا ہے۔ مشکلات سے ڈر جانا مصائب کو دیکھ کر ہمتیں پست کر لینا اور خطرات کو دیکھ کر آنکھیں موند لینا مسائل کو حل کرنے کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔ ایسے میں تو ہمتیں جوان کرنا، اور مشکلات و مصائب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اپنے مفادات کا تحفظ ہی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتا ہے، موقع اور محل کی مناسب سے اسلوب یا لب ولہجہ اور انداز نرم و محتاط ہوسکتا ہے، ضرورت کے تحت آگے بڑھنے کی غرض سے ایک دو قدم پیچھے اٹھا لینے کی بھی اجازت سنتِ مطہرہ سے ثابت ہے مگر پس پائی کو مسلک بنا لینا اور مداہنت کو ایمان قرار دینا کسی صاحبِ ایمان کا وطیرہ نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرما کر ہمیں درست نہج پر صحیح قدم اٹھانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

۴۰۔ سبل الہدیٰ والرشد: ج ۵، ص ۳۳۹، ۴۱۔ الاحزاب: ۲۱